

# اسلام کا معاشی نظام

مولانا شمس الحق افغانی (تمغہ امتیاز)

سابق وزیر معارف شرعیہ ریاست ہائے متحدہ بلوچستان، حال شیخ التفسیر جامعہ اسلامیہ بہاول پور

مولانا ۱۹۲۰ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر زیارت حرمین شریفین اور بلادِ عربہ کی سیاحت کو تشریف لے گئے، وہاں تقریباً دس ماہ مکتبہ حمیدیہ کے کتب خانہ سے استفادہ کیا۔ واپسی پر دارالعلوم دیوبند میں شیخ التفسیر مقرر ہوئے۔ اور پانچ سال درس تفسیر دیا۔ نراں بعد جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت میں صدر المدرسین مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب کے قائم مقام بنائے گئے، آپ گیارہ سال تک ریاست ہائے متحدہ بلوچستان قلات میں بعدہ وزارت معارف شرعیہ فائز رہے۔ اب ۱۹۶۲ء سے محکمہ اوقاف اکیڈمی کوئٹہ اور پھر جامعہ اسلامیہ بہاول پور میں شیخ التفسیر ہیں۔ مولانا موصوف کی تصانیف سے معین القضاۃ و المفتین (عربی)، شرعی ضابطہ دیوانی اُردو، دینِ فطرت، عالمگیر مذہب، ترقی اور اسلام اور سوشلزم اور اسلام چھپ چکی ہیں۔ اور التفعیح الشذی شرح جامع الترمذی اور علوم القرآن زیر طبع ہیں۔ مولانا کے پردادا مولانا سعد اللہ حضرت سید احمد شہید بریلویؒ کے خلیفہ تھے اور جنگِ اکوڑہ

میں انہیں شہادت نصیب ہوئی۔ (مدیر)

**اعتدالیت** | اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے۔ اس لئے اسلام نے اپنے معاشی نظام میں بھی فطرتِ انسانیہ کا لحاظ رکھا۔ اور تمام فطری امور کو اپنی حالت پر رہنے دیا۔ البتہ جہاں کہیں ان میں کجی، زلیخ اور بے اعتدالی واقع ہوئی تھی، اس کا ازالہ کر کے اس کو اعتدال پر لایا گیا۔ اسلام کے معاشی نظریہ کے خلاف اکنانیت اور اشتراکیت کے معاشی نظریات میں چونکہ بے اعتدالیت اور فطرتِ انسانی کے حدود سے انحراف موجود تھا، کیونکہ یہ دونوں نظریات جذباتی تھے، اور جذباتی نظریات کے لئے فطرت کی حدود شکنی

لازمی ہے، اس لئے اسلام نے اپنا معاشی نظام ایسا معتدل اور موافق فطرت رکھا کہ اس میں انسان کے تمام طبقات کا معاشی تحفظ اور حقوق کی رعایت بھی موجود رہی۔ اور سرمایہ دارانہ نظام اور اشتراکی نظام کی تمام خامیاں بھی اس میں دُور کی گئی ہیں۔ اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اُن تمام دروازوں کو بند کیا جن سے عوام کی معاشی حالت متاثر ہوتی تھی۔ جن سے سرمایہ دار غریب طبقے کا خون چوستے تھے اور ان تمام اُمور کی بھی مخالفت کی گئی، جن سے انسانی حریت اور شرافت اور خود مختارانہ جوشِ عمل پر بُرا اثر پڑتا تھا۔ مال کے سکون کو اس نے حرکت میں تبدیل کیا۔ غریب میں امراء کے خلاف حسِ عداوتی کو تیز کرنے کی بجائے حسِ ایمانی اور اخلاقی کے ذریعہ دونوں میں محبت کا ربط قائم کر کے فقراء کے حقوق کو محفوظ کیا گیا۔ بجائے غیر فطری مالی مسادات کے امراء اور غریب میں اکتسابِ رزق میں قانونی مسادات کو قائم کیا۔ قوانینِ عدلیہ میں امیر و غریب اور شاہ و گدا کو برابر رکھا۔ اور ایسے امور میں جو انسانی جدوجہد کی پیداوار نہیں اور جن پر انسانی سعی و عمل اور محنت کے ذریعہ سے جائز طریقے سے بالذات یا بالواسطہ کسی انسان کا قبضہ نہ ہوا ہو، ان کو سب انسانوں کی مشترکہ ملکیت قرار دیا۔

یہ دُہ دس اصول ہیں، جن پر اسلام کے معتدل معاشی نظام کی عمارت قائم ہے۔

اُمورِ فطریہ انسانیہ کو اپنی حالت پر قائم رکھنا | کیونٹ معاشی نظام میں غیر فطری مصنوعی مالی مسادات ہے۔ اور سرمایہ دارانہ نظام میں غیر فطری تفاوت ہے۔ اسلام نے اعتدال قائم کیا اور

اور اشتراکی بے اعتدالی کی تردید

دونوں کی تردید کی مصنوعی مسادات کی تردید کی کہ وہ خلافِ فطرت ہے۔ جب ندرت نے انسان میں دولت کی تخلیقی قوت میں فرق رکھا ہے۔ اور سب انسانوں کی فکری اور دماغی قابلیت برابر نہیں اور نہ عملی قوت یکساں ہے تو انہی دو قوتوں کے فطری تفاوت کی وجہ سے انسانی طبقات میں مالی تفاوت کا رونما ہونا لازم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فکری اور دماغی قابلیت کے تفاوت کی وجہ سے تمام ملازم طبقوں کی تنخواہ یکساں نہیں۔ نہ تمام تاجروں کی آمدنی برابر ہے۔ اور نہ تمام اربابِ صنعت و حرفت کی کمائی برابر ہے۔ کیوں کہ فکرو عمل کی قوت برابر نہیں۔ اس لئے فطری تفاوت کے ثمرات و نتائج کو اپنی اصلی فطری حالت کے مطابق قائم رکھنا معقول ہے۔ اور اس فطری تفاوتِ مال کے خلاف جدوجہد و تحقیق فطرت کے خلاف جنگ ہے، جس کو کسی طرح معقول قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے اسلام نے اس فطری تفاوت کو قرار رکھا۔ امراء و غریب کے

دونوں طبقوں کا وجود تسلیم کیا۔ امراء کے طبقہ پر ایسی پابندی عائد کی کہ غریب طبقے کے حقوق بھی محفوظ رہیں اور امراء اپنے فطری حدود سے تجاوز نہ کرنے پائیں۔ یہ پہلی اعتدالیت ہے۔

سرمایہ دارانہ بے اعتدالی کی تردید اور | امراء پر اسلام نے حسب ذیل پابندیاں لگائیں  
امراء و غرباء دونوں کے حقوق کی حفاظت | تاکہ اعتدال پیدا ہو کہ غریب طبقے کے حقوق محفوظ  
ہو جائیں۔

۱: امیر طبقہ حدود فطرت و شریعت سے تجاوز کر کے سود کے ذریعہ مال میں اضافہ نہ کرے۔ بلکہ اس کے برخلاف غریب طبقہ کی قرض حسنہ کے طور پر امداد کرے۔

۲: رشوت، ظلم اور دیگر ناجائز ذرائع سے مال نہ کمائے۔

۳: سرمایہ دار طبقہ وسائل رزق پر مثلاً تجارت، صنعت، کارخانہ سازی، زمینداری، ٹھیکہ داری اور ملازمت پر صرف دولت کے اثر سے اپنا قبضہ جما کر غیر سرمایہ دار طبقے کو محروم نہ کرے تاکہ ان وسائل سے غیر سرمایہ دار طبقہ بھی مستفید ہو سکے۔ اور فطری تفاوت اپنے حدود میں رہے تاکہ وہ قاننیت کی شکل اختیار نہ کر سکے۔ ورنہ بجائے فطری تفاوت کے قارونی تفاوت رونما ہوگا۔ اور تمام وہ مفاسد اور خرابیاں رونما ہوں گی، جو سرمایہ دارانہ نظام کا خاصہ لازمہ ہے

۴: امراء کے اموال میں فقراء طبقے کے جو حقوق ہیں، اسلام نے قانون زکوٰۃ و عشر و خراج و دیگر صدقات کے ذریعہ امراء کو فقراء کی حاجت روائی کے لئے جواب دہ قرار دیا تاکہ ہر سال امراء کے مال سے مناسب حصہ فقراء کو منتقل ہو کر فطری تفاوت اپنی حد کے اندر رہ کر بڑھنے نہ پائے۔

اسلام نے اپنے معاشی نظام میں اکنٹنزی اور | اکنٹنزی اور سرمایہ دارانہ نظام میں سب سے  
اشتراکی معاشی نظاموں کی خامیوں کا ازالہ کیا | بڑی خرابی سودی کاروبار ہے۔ اسلام نے

ہر قسم کے سود کو مفرد ہو یا مرکب، حرام قرار دیا۔ اور صرف اصل قرضے کی وصولی کی اجازت دی۔ ارشاد ہے:  
وَإِنْ تَبَيَّنَ فَلَكُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ۔ اگر تم سود سے توبہ کرو گے تو تم کو  
صرف اصل قرضہ ملے گا نہ تم ظلم کرنے کے مجاز ہو کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی زائد لو اور نہ تم پر ظلم کیا  
جائے گا کہ اصل قرضہ سے ایک کوڑی کم ملے۔ (قرآن) اسی طرح سورہ بقرہ ۲۷۵ میں: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ  
آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مَرْضِينَ۔ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور

چھوڑ دجو باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو اللہ کے فرمانے پر یقین ہے۔ اسی طرح احل اللہ البیع و حرم الربوا۔  
 حلال کیا خدا نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو۔ ان تینوں آیات میں اللہ نے سرمایہ داری کے بنیادی نقص  
 کو دور کیا اور سود کی تمام قسموں کو حرام ٹھہرایا۔ خواہ اضعا فاضعا ہو یا کم، چاہے ایک چوٹی فی صد ہو۔  
 البتہ عرب میں ڈبل سود کا بھی رواج تھا، جو سود کی بدترین شکل تھی۔ جب بھی میعاد پر قرضہ ادا نہ ہوتا  
 تھا تو میعاد کے بڑھانے کے ساتھ ساتھ سود کی مقدار بھی بڑھاتے تھے۔ یہاں تک کہ سود کی رقم دو گنی  
 سرگنی تک پہنچ جاتی۔ اس کو قرآن نے خصوصی طور پر حرام کیا۔ ولا تأخذوا الربوا اضعا فاضعا  
 میں یہی شکل سود کی مراد ہے۔ الغرض قرآن نے سود کے تمام اقسام کے دروازے بند کر دیئے۔ اور سونوار  
 کو ایسی شدید دھمکی دی گئی کہ قرآن میں کسی اور جرم پر ایسی دھمکی نہیں دی گئی۔ فرمایا: فان لم تفعلوا  
 فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ۔ اگر سود نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے  
 کے لئے۔ وان تبتم فلکم رؤس اموالکم۔ اگر سود سے توبہ کرو تو صرف قرض لینا ہوگا۔ نہ  
 اس سے زیادہ چاہے ایک پائی ہو۔ اس سے بعض مغرب زدہ لوگوں کی تحریف قرآنی کی حقیقت واضح ہو  
 گئی کہ قرآن نے عمومی سود کو بھی حرام کیا۔ اور ایک مخصوص صورت کو بھی جو قبیح تر تھی اس کی حرمت کو بھی  
 خصوصیت کے ساتھ منوع قرار دیا۔ ورنہ قرآن کے مضامین میں تعارض لازم آئے گا۔ فلکم رؤس  
 اموالکم والی آیت صرف اصل قرضہ کی وصولی کے ساتھ جواز مخصوص کرتی ہے۔ اسی طرح وذر واما بقی  
 من الربوا والی آیت سود کا جو بھی باقی ماندہ مطالبہ ہو اس کو حرام قرار دیتی ہے۔ اب اگر حرمت  
 صرف ڈبل سود سے مختص ہو تو ان دونوں آیتوں کے خلاف ہوگا۔ اور اگر سب صورتیں حرام ہوں تو سب  
 آیتوں پر عمل ہوگا۔ اور کوئی آیت متروک العمل نہ رہے گی۔ یہی معنی تقریباً چودہ سو سال سے ماہرین قرآن  
 نے سمجھے۔ قرآن میں لفظی اور معنوی تو اتر دونوں ہیں جس طرح الفاظ قرآن تو اتر سے ثابت ہیں۔ اور ان کو  
 زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے بدلا نہیں جاسکتا۔ اسی طرح قرآن کے واضح مطالب بھی متواتر ہیں کسی زمانے  
 میں بھی ان متواتر معانی اور مطالب میں تبدیلی و تحریف کی گنجائش نہیں۔ خواہ ربوا یا سود ہو یا صوم و  
 صلوٰۃ یا حج و زکوٰۃ یا دیگر مطالب متواترہ۔ اگر بالفرض مطالب قرآنیہ متواترہ محفوظ نہ رہے۔ اور یہ کس  
 ناکس جب چاہے اس کو تبدیل کر سکتا ہے تو پھر الفاظ قرآن کی محفوظیت بھی بے فائدہ ہو کر رہ جائیگی۔  
 کیوں کہ حفاظت الفاظ کی غرض حفاظت مطالب و معانی ہیں۔ اگر معانی محفوظ نہیں تو صرف

لفظ کی حفاظت سے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

حرمت متجزئی نہیں | حرمت اشیاء میں اسلامی ضابطہ یہ ہے کہ اس میں تخیل و کثیر کے لحاظ سے

تفاوت نہیں ہوتا کہ کثیر سود حرام ہو اور قلیل جائز ہو۔ چوری کثیر و قلیل دونوں حرام ہیں۔ ڈاکہ کے ذریعہ قلیل و کثیر مال حاصل کرنا دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ مُرواد کھانا قلیل و کثیر دونوں ناجائز ہے۔ لہذا سود میں یہ حد بندی کہ سود مفرد حلال ہو اور سود مرکب حرام ہو، عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ الغرض جو چیز مدائیر حکم ہو، خواہ وہ کم ہو یا زیادہ، اس سے حکم کی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مثلاً چوری حرام ہے۔ اور حرمت کا مدار اس کا چوری ہونا ہے۔ اب چوری تھوڑی ہو یا زیادہ، دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس میں کم و بیش، قلیل و کثیر کا حکم ایک ہی ہو گا کہ سب صورتیں حرام ہوں گی۔ اسی طرح مُرار حرام ہے، بغیر کہ کا گوشت، نشہ آور چیز حرام ہے۔ ڈاکہ حرام ہے۔ غصب اور ظلم حرام ہے۔ ان سب میں کم و بیش، قلیل و کثیر کا ایک ہی حکم ہو گا۔ اور سب صورتیں حرام ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ شریعت کسی چیز پر فساد کی وجہ سے حرمت کا حکم لگاتی ہے۔ اور فساد خواہ قلیل ہو یا کثیر دونوں واجب الابقناب ہیں۔

دین میں اس قسم کا تجدد، تجدید اصلاح نہیں، تجدد فساد ہے اور تقلید فرنگ کا بہانہ ہے۔ بقول اقبال

محسوس یہ ہوتا ہے کہ آوازِ تحدید مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

مُسلم اور حُرّی، عبد اور مولیٰ میں | بعض مغرب زدہ استدلال پیش کرتے ہیں کہ فقہ میں مسلمان

جوازِ ربلو نہیں بلکہ عدم وجودِ ربلو ہے | اور حُرّی، مولیٰ اور غلام کے درمیان ربلو کی صورت کو جائز

قرار دیا گیا ہے، یہ غلط ہے۔ ان دونوں صورتوں میں فقہ نے جوازِ ربلو کا فتویٰ نہیں دیا بلکہ ربلو کے وجود سے انکار

کیا۔ یعنی ان دونوں صورتوں میں ربلو شرعی متحقق نہیں۔ نہ یہ کہ ربلو شرعی متحقق ہے لیکن جائز ہے۔ ان

دونوں صورتوں میں آسان و زمین کا فرق ہے۔ ربلو کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ بلا عوض مقابل کسی دوسرے

شخص کا معصوم مال حاصل کیا جائے۔ عبد اور مولیٰ میں اگر کوئی ایسا تبادلہ ہو جائے کہ مولیٰ نے غلام کے

ہاتھ سے دو روپے ایک روپے کے عوض میں لئے تو چونکہ عبد اور غلام کے وہ دو روپے درحقیقت خود

مولیٰ کے ہیں اس لئے دو مالکوں میں تبادلہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہ ایسا ہوا کہ ایک مالک نے کسی شخص یعنی غلام

کے پاس ایک روپیہ بطور امانت رکھا۔ اور دو روپے اپنے جو اُس کے پاس تھے وہ واپس لے لئے۔

اسی طرح حُرّی کا مال مباح ہے۔ شکار اور صدقہ کی طرح اس کی ملکیت نہیں مالک حقیقی نے اس کی ملکیت

کو ختم کیا ہے۔ اب صرف قبضہ ہی فیصلہ کن ہے۔ جب حربی کے مال پر قبضہ کیا گیا تو یہ ایسا ہے جیسے شرکار پر قبضہ کیا جائے۔ یہ بھی دو مالکوں میں تبادلہ نہیں۔ یہی راز ہے کہ فقہاء نے ان دونوں صورتوں میں یہ لفظ استعمال نہیں کیا۔ يجوز الرزق بین المسلم والحربی بین العبد ومولاہ بلکہ یوں تعبیر کی کہ لا رزق بین المسلم والحربی ثم ولا بین العبد ومولاہ۔ یعنی دونوں صورتیں سرے سے رتبہ نہیں۔ اور نہ رتبہ کا شرعی مفہوم ان میں موجود ہے۔

اسلام نے اکتنازیت اور احتکارت اور وسائل رزق پر ایک طبقہ کا قبضہ ختم کیا۔ اور اشتراکیت کے خلاف شخصی حریت کو برقرار رکھا

خرچ نہیں کرتے، اُن کو دردناک عذاب کی خبر سنا دو۔ (قرآن)۔ الذی جمع مالاً و عذراً بحسب ان ماله اخلده کلاً لیبذن فی الحطمة۔ جو لوگ مال جمع کرتے ہیں۔ اور گن گن کر اس کو رکھتے ہیں ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ (قرآن)۔ صحیح مسلم میں معمر مرفوع حدیث نقل کرتے ہیں۔ من احکمر فہو خا طی۔ جو انسانی خوراک کو گروانی کی نیت سے ذخیرہ کرے، وہ مجرم ہے۔ قرآن نے یہ ارشاد فرما کر ایک طبقہ کے انسانی ذرائع معاش پر قبضہ کرنے کو روک دیا۔ سلق لکم ما فی الارض جمیعاً وجعلنا لکم فیہا معاش۔ یعنی زمین کے تمام ذرائع معاش سے استفادہ کرنا تمام انسانوں کا حق ہے۔ ہر انسان اپنی فطری قوت فکر و عمل سے اکتساب رزق حلال اور اضافہ ملکیت شخصی میں حدود شریعت کے اندر رہ کر آزاد ہے۔ اور مال داری کا فطری تفاوت عین فطرت و حکمت ہے۔ نحن قسمنا بینہم معیشہم ورفعا لبعضہم فوق بعض درجات لیتخذ بعضہم لبعضاً سخریا۔ ہم نے فطرتاً اکتساب معیشت کی قوتیں انسانوں میں تقسیم کی ہیں۔ اور اُن میں اونچ نیچ رکھی ہے تاکہ ایک دوسرے سے کام لے سکیں۔ بیضاوی لکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کو اپنے کاموں کے لئے استعمال کر سکیں۔ اور ان میں الفت اور نظم قائم ہوتا کہ نظام عالم درست رہ سکے۔

حکمت تفاوت مالی | جس حکمت کی طرف قرآن نے اجمالی اشارہ کیا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ نظم بشری اور جماعت بشریہ کی تالیف ایک اہم نصب العین ہے۔ انسانی فطرت دیگر حیوانات کے برخلاف اجتماعیت کی مقتضی ہے۔ جو ان میں انسانوں کے اکتساب معاش کے لئے ہے۔ لیکن انسان

مدنی الطبع ہونے کی وجہ سے اجتماعیت کے بغیر ایک لمحہ کے لئے بھی انفرادی صورت میں زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسان کو کپڑے کی ضرورت ہے تاکہ رفع حر و قریعہ یعنی گرمی اور سردی سے بدن کی حفاظت کر سکے۔ کپڑا سوت سے بنتا ہے۔ لہذا اس کو ایک مزارع کے تعاون کی ضرورت ہے کہ وہ کپاس کاشت کرے۔ پھر اس کو کپاس میں سے روئی اور بنوے کو ایک دوسرے سے جدا کر دینے کے لئے ایک اور معاون کی ضرورت ہے۔ روئی کو کات کر دھاگہ بنانے کے لئے وہ کاتنے والے کا محتاج ہے۔ دھاگہ جھل ہونے کے بعد اس کو جو لا ہے کی ضرورت ہے کہ کپڑا تیار کر دے۔ سینے کے لئے اس کو درزی اور رنگانے کے لئے رنگ ساز کی ضرورت ہے۔ اس پوری جماعت کے تعاون کے بعد وہ کپڑے سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح اگر اونی اور لٹری کپڑا ہو یا عورتوں کے لئے لٹری کپڑا تو ان سب میں ایک انسان کو دیگر متعدد انسانوں کی اعانت کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک انسان خود تنہا یہ سب کام انجام نہیں دے سکتا۔

اسی طرح انسان کو مکان کی بھی ضرورت ہے جس میں اینٹ، چونہ، پتھر اور سیمنٹ حاصل کرنے کے لئے اس کو دوسرے انسانوں سے مدد لینی پڑتی ہے۔ لکڑی کے کام کے لئے بڑھئی اور نجار اور لوہے کے کام کے لئے لوہار، تعمیر کے لئے معمار اور مزدور کی ضرورت ہے، جب کہیں جا کر مکان تیار ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس خوراک کی فراہمی کے لئے غلہ کاشت کرنے والا، پیسنے والا، توایا نور بنانے والا، ہنڈیا تیار کرنے والا، لکھی اور مصالحہ فراہم کرنے والے کی امداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جگہ صاف کرنے کے لئے جھنگی۔ حجامت کرنے کے لئے حجام اور کپڑے دھونے کے لئے دھوبی کی ضرورت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پوری زندگی کا نقشہ انفرادی نہیں، اجتماعی ہے۔ اور انسان کا یہ اجتماعی نظام حیات حاجت پر مبنی ہے۔ اسی حاجت کی وجہ سے افراد انسانی میں ربط، جوڑ اور نظم قائم ہے۔ اگر سب انسان الداری میں برابر ہوں تو ایک انسان دوسرے سے کس طرح کام لے سکے گا۔ مثلاً اگر مساوی انسانوں میں سے ایک دوسرے سے کہے کہ میری محتاج بناؤ تو وہ کہہ سکتا ہے کہ تم میری حجامت بناؤ۔ میں تم سے کس بات میں کم ہوں۔ یا یہ کہے کہ میرے کپڑے دھو ڈالو تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ تم میرے کپڑے دھو لو کیونکہ ہم دونوں برابر ہیں۔ نقلی سے کہا جائے کہ یہ صندوق اٹھاؤ تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کیوں اٹھاؤں۔ مجھے اٹھانے کی حاجت نہیں تم خود اٹھاؤ۔ بہر حال کام لینے کے لئے تفاوت کا وجود ضروری ہے کہ کام لینے والا کام کا محتاج ہو اور کام کرنے والا اُجرت اور پیسے کا محتاج ہو۔ اسی طرح عملیہ امور میں تبادلہ ممکن ہو سکے گا۔ اگر مال بچاں تو تو یہ تبادلہ ممکن نہیں۔

ہر انسان کو اپنا کام اور عمل خود کرنا پڑے گا۔ اور انسانوں کی ربط باہمی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ کیونکہ مدار ربط حاجت ہے۔ یہ قدرت کا عجیب انصاف ہے کہ ربط قائم کرنے کے لئے مالی تفاوت کی ضرورت تھی تاکہ کم مال والا، مالدار کے لئے کام کر کے مال کما سکے۔ لیکن اگر حاجت صرف عامل کی طرف سے ہوتی تو مالدار فرعون بے سامان بن جاتا۔ لہذا قدرت نے دو طرفہ حاجت کا نظام قائم کیا ہے۔ عامل اور مزدور کو مال کی حاجت ہے اور مال دار کو قدرت نے عمل کا محتاج بنایا تاکہ دو طرفہ حاجت کی وجہ سے ہر ایک دوسرے کا محتاج رہے۔ اور کسی میں شانِ استغناء اور بے نیازی پیدا نہ ہو کہ کوئی ایک دوسرے پر زیادتی کر سکے۔

**جوشِ عمل کے لئے** | اسلام نے شخصی ملکیت کو برقرار رکھ کر مالکان ملکیت کے تحفظ کو دور کر کے حریت کی ضرورت ان میں جوشِ عمل پیدا کیا۔ اور ان کو حیوانیت سے اٹھا کر مقامِ شرف انسانیت پر پہنچایا تاکہ وہ نظامِ اشتراکی کی طرح حکومت کے لئے مشین بن کر کام نہ کریں بلکہ ایک مالک یا اختیار کی طرح سعی و عمل میں مصروف رہیں۔ اشتراکی معاشی نظام میں انسان دیگر انسانوں پر خدائی قائم کرتا ہے۔ اور اس کی تمام قوتوں کو خود مختار نہ نہیں بلکہ اپنے منشاء کے مطابق استعمال کرتا ہے جس سے وہ انسان نہیں رہتا۔ بلکہ حکومت کی ایک مشین بن جاتا ہے۔ قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح کیا دانت لیس للانسان الا ماسعی وان سعید مسوف یروی۔ کہ انسان اپنی کوشش اور جدوجہد سے آزاد استفادہ کرنے کا مالک ہے اور جو کچھ اپنی سعی سے کمائے گا۔ اس کو وہ دیکھ پائے گا۔ دھل تجزون الا ما کسبتہم تعلون۔ انسان کو اپنے ہی عمل کا بدلہ ملے گا۔ یہ قانون انسان کے دیوی و انروی دونوں قسم کے اعمال پر حاوی ہے۔ اشتراکی انسان سے جانور کی طرح کام لے کر اُسے گھاس چارہ کھلاتا ہے جو انسان کو حیوان بنانے کے مترادف ہے۔

**حرکتِ دولت** | سرمایہ دارانہ نظام کی اس خامی اور کجی کو کہ اس میں دولت ایک خاص طبقہ میں ساکن ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور دوسرے لوگوں تک حرکت نہیں کرتی، اس سے دوسرے لوگوں میں غربت اور افلاس رونما ہو جاتا ہے۔ اور انسان کے اجتماعی جسم کا ایک بڑا حصہ مفلوج ہو کر رہ جاتا ہے۔ بعینہ اسی طرح کہ اگر ایک شخص کے بدن کا خون چند اعضاء بدن میں یا ایک عضو میں بند ہو کر رہ جائے۔ اور دوسرے اعضاء بدن کو خون نہ ملے تو وہ مفلوج ہو کر رہ جائیں گے۔

ایک شخص کے لئے خون اور جماعت بشری کے لئے دولت یکساں طور پر موادِ حیات ہے۔ قرآن نے پہلے اس بنیادی اصول کا اعلان کیا۔ لکھی لایکون دولة بین الاغنیاء منکم کہ تقسیم سب میں اس لئے ضروری ہے کہ مال صرف اغنیاء کے طبقے میں گردش نہ کرنے پائے۔ یہ تو اس بنیادی اصول کا اعلان تھا۔ لیکن اسلام نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ اسلام نے اصلاحِ معاش کے لئے ایسے قوانین نافذ کئے، جن سے حرکتِ دولت پر عمل ہو۔

۱۔ اندرونِ زمین جس قدر دولت ہے۔ خواہ سونا چاندی ہو یا لوہا، ان میں فقہ اسلامی کے تحت چھ یعنی خمس فقراء کو دلوایا تاکہ گردشِ دولت کی تکمیل ہو۔ (فتح القدیر باب الخمس)۔ یہ تو معدنیاتِ باطنہ کا حال ہے جو محنت و مشقت کے ذریعہ نکالے جاتے ہیں۔ باقی معدنیاتِ ظاہرہ وہ مجموعی حیثیت سے تمام عوام کا حق ہے۔ کسی شخص کے ساتھ یا کسی طبقے کے ساتھ مختص نہیں۔ (مغنی ابن قدامہ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷)

۲۔ زمین کی ایسی پیداوار جس کی آب پاشی میں تکلیف نہ ہو۔ اس میں فقراء کے لئے دسواں حصہ ہے۔ ماسقۃ السماء اداکان عشربا ففیہ العشر (صحیحین عن ابن عمر) جو زمین بارش سے سیراب ہو یا دریا کی نمی سے نشوونما پائے، اس کی پیداوار میں فقراء کا حق دسواں حصہ ہے۔ ۳۔ جو زمین رہٹ، ڈول، ٹوب ویل سے سیراب ہو، اس کی پیداوار میں فقراء کا بیسواں حصہ ہے۔ ۴۔ نقد اور اموال تجارت اور تمام کاروباری آمدنی میں نصاب اور ایک سال گزرنے کی شرط پر فقراء کے لئے چالیسواں حصہ یعنی ڈھائی فی صد کا حق ثبات ہے۔ تقریباً اسی کے لگ بھگ انے مویشیوں میں بھی فقراء کے لئے زکوٰۃ کا حصہ مقرر ہے جس کی تفصیل فقہ میں ہے مثلاً پانچ اونٹوں میں ایک بکری یا اس کی قیمت۔ چالیس بکریوں یا دنبوں میں جو چکر کر پتے ہوں، ایک بکری یا ایک دنبہ یا اس کی قیمت۔ گائے، بیل اور بھینس اگر تیس ہوں۔ تو یک سالہ بچہ۔ چالیس ہوں تو دو سالہ بچہ۔

قانونِ استعجابی۔ فقراء نوازی جس اخلاقی | اگر ایسی حالت پیدا ہو جائے کہ عوام غربت اور افلاس کے ذریعہ نہ جس عدوانی کے ذریعہ | کے شکار ہوں تو امراء کے پاس اپنی ضرورت سے جس

قدر مال ناموجود ہو وہ قانونِ استعجابی کے تحت عوام کو ایسا ہی ملے گا۔ (مغنی ابن قدامہ جلد ۶ صفحہ ۱۵۷)

قل العفو۔ آپ سے لے پیغمبر! پوچھتے ہیں فقراء پر کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیں کہ تمام وہ مال خرچ کرو جو ضرورت سے زائد ہو۔

ابن حزم ضرورت کے وقت اغنیاء کے اموال کو ابن حزم المحلی میں لکھتے ہیں۔ علیؑ سے روایت فقراء پر برابر تقسیم کرنا لازمی قرار دیتے ہیں۔ اور اس پر اجماع صحابہ نقل کرتے ہیں۔ اگر فقراء بھوکے اور تنگ ہوں اور

اغنیاء کے نہ دینے کی وجہ سے تکلیف میں پڑ جائیں۔ تو اللہ تعالیٰ ان سے حساب لے گا اور نرا دے گا۔ ضرورت کے وقت اغنیاء سے مال لے کر سب پر برابر تقسیم کیا جائے گا۔ ابو عبیدہ بن الجراحؓ اور تین سو صحابہ نے توشہ جمع کر کے سب پر برابر تقسیم کیا۔ جن کو دو توشہ دانوں میں جمع کر کے برابر بقدر قوت سب کو دیتے رہے۔ عربی عبارت یہ ہے:۔ عن علی ان اللہ فرض علی الاغنیاء فی اموالہم بقدر ما ینفی فقراء فان جا عوا و جہدوا لیمنع الاغنیاء فحق علی اللہ ان یمارسہم یوم القیامۃ و یعزلیہم و عند الحاجۃ یقسم المال علی السواء صحیح عن ابی عبیدۃ بن الجراح ثلاث مائۃ من الصحابۃ ان زادہم نفی فجمعوا ازوادہم فی مزدین و جعل بقوتہم علی السواء فہذا اجماع مقطوع بہ من الصحابۃ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۸)۔ پھر اسی طرح ابو سعیدؓ کی مرفوع حدیث اور حضرت عمرؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ الفاظ یہ ہیں:۔ عن ابی سعید مرفوعاً من کان معہ فضل ظہر فلیعده من لا ظہر و من کان معہ فضل زاد فلیعده من لا زاد لہ قال فذکر اصنافاً من المال حتی رینا انہ لا حق لنا فی الفضل فضول اموال الاغنیاء فقسم ما علی فقراء المهاجرین و ہذا فی غایۃ الصحیح و الجلالۃ (المحلی ج ۶ ص ۱۵۸)۔ ابو عبیدہ بن الجراح کے ہمراہ تین سو صحابہ تھے جن میں اکثر کے پاس توشہ یعنی زاد راہ ختم ہو چکا تھا۔ آپ نے جن کے پاس زاد راہ تھا، اُن سے لے کر سب پر برابر تقسیم کیا۔ اور صحابہ میں سے کسی نے اُن کے اس فعل پر اعتراض نہیں کیا۔ ابو عبیدہؓ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور سان رسالتؑ سے آپؐ کو امین امت کا خطاب ملا ہے۔ ابو سعیدؓ حضورؐ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس کے پاس ضرورت سے زائد سواری ہو، وہ اس شخص کو دے دے جس کے پاس سواری نہیں۔ اور جس کے پاس زاد راہ زائد موجود ہو وہ اس کو دے دے جس کے پاس زاد راہ نہیں۔ حضور علیہ السلام نے ایسی کئی

ضرورت کی چیزیں ذکر فرمائیں۔ یہاں تک کہ ہم نے گمان کیا کہ ہمارے پاس ضرورت سے جو چیز زائد موجود ہو، اس میں ہمارا کوئی حق نہیں۔ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔ (در المعلى ج ۶ ص ۱۸۵) حضرت عمرؓ سے ابن حزم نے نقل کیا ہے کہ آپؓ نے فرمایا مجھے جن حالات کا بعد میں علم ہوا، اگر مجھے اس کا پہلے علم ہوتا۔ تو میں دولت مندوں سے ضرورت سے زائد اموال لے کر فقراء مہاجرین پر تقسیم کرتا۔ اس روایت کی سند نہایت صحیح اور جلیل الشان ہے۔ قل العفو والی آیت اور ان روایات پر نظر ڈال کر کیا اس امر کا یقین حاصل نہیں کیا جاسکتا کہ اسلام کے معاشی نظام میں عوام کی حالت اشتہ کی نظام کی نسبت زیادہ بہتر اور زیادہ پُر محبت و خلوص ہوگی۔ اور وہ تمام نقائص بھی نہ ہوں گے، جو اشتہ کی نظام میں موجود ہیں۔ مولانا عبید اللہ رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ جب میں نے صرف اس ایک آیت لیسئلونک ماذا یففقون قل العفو کا ترجمہ لینے کو سُنایا تو جوش میں آ کر اُس نے کہا کہ اگر ہم پہلے اس سے واقف ہوتے تو ہمیں کمیونزم کی ضرورت نہ ہوتی۔ بہر حال ابن حزم نے جو کچھ لکھا وہ ایک جبری قانون ہے۔ لیکن اگر اس کو باہمی رضامندی اور جذبہ اخوت کے تحت رضا کارانہ طور پر عمل میں لایا جائے تو یہ معاشی خوشحالی کے لئے بہترین ذریعہ ہو سکتا ہے۔

**قانونی مساوات اور** | امراء عوام کے حقوق کو اپنے اثر و رسوخ کے ذریعہ غصب کرتے ہیں۔  
**شاہ و گدا کی برابری** | اور پھر عوام کی حق رسی نہیں ہوتی۔ لہذا حکومت کا ہونا نہ ہونا عوام کے لئے برابر ہو جاتا ہے۔ اسلام نے قانونی حقوق میں مساوات قائم کر کے اس خامی کو دُور کیا۔ اور شاہ و گدا کو قانون انصاف کے آگے برابر کر دیا۔ زبانی دعویٰ تو ہر حکومت یہی کرتی ہے۔ لیکن جہاں تک عمل کا تعلق ہے، اسلامی تاریخ کے علاوہ کسی دین و آئین میں مساواتِ قانونی کا عملی رنگ موجود نہیں۔ خلفاء اور شاہانِ اسلام کو ایک معمولی غریب کے دعویٰ کی جواب دہی کے لئے عدالت میں حاضر ہونا پڑتا تھا۔ اور عدالت کا فیصلہ سنتے ہی اس پر عمل کرتے تھے۔ اسلامی تاریخ مساواتِ قانونی کے عملی واقعات سے لبریز ہے۔ ہم اختصاراً اُن کو ترک کرتے ہیں۔ لیکن اس کے برخلاف انگلستان کے آئین میں صاف لکھا ہے کہ بادشاہ ہر قانون سے مستثنیٰ ہے۔

اسلامی معاشی نظام | اسلام کے معاشی نظام میں اشیاء مشترکہ یا بالفاظ دیگر اسلامی اشتراکیت: میں اشیاء مشترکہ | اسلام دین فطرت ہے۔ لہذا اس نے اپنے معاشی نظام میں ایسی اشیاء کو شخصی ملکیت سے مستثنیٰ کر کے مشترک عوامی ملکیت میں شامل کیا جن کا تعلق انسانی جدوجہد اور انسانی سعی و عمل سے نہیں اور جن کی ضرورت سب عوام کو ہے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

علویات میں سے آفتاب و مہتاب اور سفلیات میں سے پانی دریا کا ہو یا سمندر کا۔ آگ، گھاس، نمک، خشکی یا آبی شکار مشترک ہیں۔ (ابن ماجہ، ہدایہ، کتاب الخراج امام ابو یوسف)۔ ان مذکورہ اشیاء کے ساتھ سب عوام کا حق متعلق ہے۔ کوئی کسی کو محروم نہیں کر سکتا۔ اور نہ حکومت عوام پر پابندی لگا سکتی ہے۔ الا اس صورت میں کہ عوام کو اس میں نقصان ہو۔ دریا میں سے ہر آدمی کو پانی پینے کا حق ہے۔ جانوروں کو پانی پلانے کا بھی حق ہے۔ نالی کھود کر کھیت سیراب کرنے کا بھی حق ہے۔ اس میں کشتی چلا کر پیسے کمانے کا بھی حق ہے۔ اس کے پانی میں مچھلی پکڑنے کا بھی حق ہے، خواہ دریا ہو یا سمندر۔ اسی طرح خود رو گھاس میں ہر آدمی کا حق ہے۔ خواہ خود کاٹے یا اگر مالک زمین کو ضرر ہو تو وہ خود کاٹ کر اس کے حوالہ کر دے۔ اسی طرح پہاڑوں سے قدرتی نمک حاصل کرنا ہر آدمی کا حق ہے کہ اس سے استفادہ کرے۔ زمین، سمندر اور دریائی شکار پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ تمام عوام اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ اسی طرح سمندر سے جو جواہرات، غنیر وغیرہ نکلتے ہیں، وہ سب کا حق ہے۔ وفي الغایۃ فیما فی البحر لا یملک الامام ان یخص واحد اودن واحد۔ بادشاہ کا حق نہیں کہ سمندری اشیاء کو کسی کے لئے مختص کر دے۔ (شرح ہدایہ)

مرافق بلد | جو غیر ملوکہ زمین شہر سے باہر ہو لیکن شہر والوں کو اس کے جنگل میں سے جلانے کی لکڑی کی ضرورت ہو یا مولشی چرانے کی، ایسی زمین مشترک کہے گی تاکہ شہری ضرورت اس سے پوری ہو سکے۔ وہ موات کے حکم میں نہیں کہ کوئی ایک فرد اس پر قبضہ کرے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ حکومت اُسے کسی کو بطور جاگیر دے۔ وما کان خارج البلد من مرافقہا و محتطبہا ولا ہلہا و مرعائہم لا یكون مواتا فی لا یملک الامام اقطاعہا (عنایۃ علی الہدایۃ ج ۴ ص ۳۵)